حضرت مولانا سلطان اللہ صاحب فاضل دیوبند جہانگیروی

مولانا محمد یوسف بنوریؒ

میرا دوست میرا ساتھی

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے ساتھ میری رفاقت ۱۹۲۷ء سے دار العلوم دیوبند کے طالب علمی کے زمانہ سے تھی، پھر پشاور میں ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۰ء تک اور پھر کراچی میں مدرسہ عربیہ کے اجراء سے سات برس تک یہ رفاقت خلوت اور جلوت میں ہر طرح سے ایک دوسرے کیساتھ اخلاص اور یگانگت پر مبنی تھی، میں ان کے حالات مختصراً لکھنے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ ان کی زندگی اسقدر وسیع ابواب پر مشتمل ہے۔ کہ اگر تمام حالات لکھوں۔ تو اس کے لئے ضخیم مجلد کی ضرورت ہوگی۔

مولانا مرحومؒ نسب کے تعلق سے حضرت سید آدم بنوریؒ کی اولاد سے تھے، آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اکبر خلفاء میں سے تھے۔ بنور ریاست پٹیالہ میں سرہند کے پاس ایک قصبے کا نام ہے۔ آپ کے اجداد سلطنت مغلیہ کے زوال کے زمانہ میں سرہند کے علاقہ سے سرحد میں آئے اور صوبہ سرحد کے افغانوں نے بڑی عزت و تکریم کے ساتھ ان کی پذیرائی کی۔ ریاست دیر کے نوابوں کے خاندان کے مورث اعلیٰ بھی اسی خاندان کے مریدان باصفا میں سے تھے۔

بنوری خاندان کے کچھ لوگ پشاور گڑھی میر احمد شاہ اور بھانہ ماڑی میں اور کچھ شہر کوہاٹ میں آباد ہیں۔ گڑھی میر احمد شاہ کے بانی سید میر احمد شاہ پشاور شہر کے مشاہیر میں سے اور اہل صفا میں سے تھے۔ اور یہ پورا محلہ ان کا بسایا ہوا تھا۔

مرحوم مولانا بنوریؒ کے والد مولانا سید ذکریا بادشاہ صاحبؒ صاحب حال بزرگوں میں سے تھے۔ آپ نے تصوف کی منازل جب طے کرنے شروع کئے۔ تو آپ پر ایک دور ایسا آیا کہ ترک دنیا کر کے تمام جائداد فروخت کر دی۔ اور حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی درگاہ پر بغداد چلے گئے اس

حالت میں آپ نے پشاور کے مکانات فروخت کر دئے، نواب طور و محبت خان آپ کے خاندان کا ارادت مند تھا۔ اس نے رشکئی کے پاس کچھ زرعی زمین بطور سیرئی دی تھی، وہ بھی آپ نے واپس کر دی۔ مولانا زکریا کی ایک ہمشیرہ محترمہ مریم نام کی تھی۔ وہ صاحب کرامات ولیہ تھی۔ مولانا بنوریؒ کی والدہ چھوٹی عمر میں انتقال کر گئی تھی۔ یہ مریم صاحب کرامات تھیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کیطرح بے وقت کے میوے ان کے خلوت میں آتے تھے۔ اس نے مولانا یوسف بنوریؒ کو بڑی دعائیں دیں انہوں نے ایک کھدر کا تھان خود چرخہ چلاکر وضو کی حالت میں سورۃ یاسین پڑھ کر بنا تھا۔ ارادہ تھا کہ اسے اپنے کفن کے لئے رکھے۔ لیکن جب مولانا زکریا درویشی کے عالم میں چلے گئے تھے، تو موصوفہ مریم نے عید کے کپڑوں کا جوڑا اسی کھدر سے مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے لئے بنایا۔

مولانا بنوریؒ کے والد سید زکریا کی والدہ محمد زئی درانی شاہی خاندان سے تھیں۔ اور ان کے خاندان کو جلال آباد کے پاس خوگیانی مقام میں ایک باغ بھی امیر حبیب اللہ نے عطا کیا تھا۔ جس میں انہوں نے انار کا باغ لگایا۔ بعد میں مولانا یوسف بنوریؒ اسی تعلق سے کابل چھوٹی عمر میں تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے مولانا فضل صمدانی یعنی اپنے ماموں کے ساتھ واپس پشاور آئے۔ لیکن کابل کے تعلق سے آپ کی فارسی تقریباً مادری زبان والوں کی طرح ہو گئی۔

آپ کے والد بغداد سے واپس آئے اور کچھ عرصہ جنگلوں میں چلہ کشی کرنے لگے۔ پھر زندگی نے پلٹا کھایا۔ اور آپ نے ریاست بہاولپور میں ٹھیکیداری شروع کر دی۔ اسی اثنا میں مولانا بنوریؒ نے پشاور کے بعض علماء سے صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ آپ کی ابتدائی تعلیم کسی باقاعدہ طریقہ پر نہیں ہوئی۔ صرف اپنی ذہانت سے درس نظامی کی مختلف کتابیں مطالعہ کیں۔ حافظہ اس قدر بلا کا پایا تھا کہ جو چیز بھی کسی عمر میں کسی کتاب میں پڑھی، وہ آخر تک یاد رہی۔

آپ کو ہمیشہ یہ شکایت رہی کہ ان کے والد نے ان کی تعلیم کیطرف کوئی توجہ نہیں دی۔ اس باغ کی حنابندی قدرت نے خود کی۔ فرمایا کرتے تھے، کہ میرے والد نے ایک دفعہ مجھ کو ایک درزی کے پاس شاگرد بنا دیا تھا۔ لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ آپ کے صرف کے پہلے استاد مولانا حافظ عبداللہ ساکن لنڈھی ارباب تھے۔ جو بعد میں شہید کر دئے گئے۔

بعد میں ایک دفعہ پھر کابل تشریف لیگئے۔ اور وہاں واپس آکر آپ دارالعلوم دیوبند میں تشریف لاکر بطور طالب علم داخل ہو گئے۔ کابل میں آپ اپنے، ایک استاد مولانا عبدالقدر کا ذکر کرتے تھے۔ جو امیر امان اللہ خان والئ کابل کا بھی استاد تھا۔ آپ نے میر زاہد ملا جلال اور کچھ منطق کی کتابیں ان سے پڑھی

تھیں۔ کابل میں اس زمانہ میں امیر زمان اللہ خان کا ایک وزیر جس کا نام میں بھول گیا ہوں۔ عربی ادب کے ساتھ خاص شغف رکھتے تھے۔ یہ وزیر کوئی الیسا روشن خیال عربی کا ادیب تھا جس نے مصر کے نئے ادیبوں کے طرز نگارش کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اس نے مولانا یوسف کی ذہانت کو دیکھ کر کچھ جدید مصری ادب کی کتابیں مولانا کو عطیہ دیں۔

بندہ دیوبند میں طالب علمی کے زمانہ میں بھی مولوی فاضل کا امتحان پاس کر کے پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری سے نئی جدید ادب کی کتابوں کا مطالعہ کر چکا تھا۔ اور یہی اشتراک ذہنی ہم دونوں کی دوستی پہ نتیج ہوا۔ دیوبند مسجد کے چھتہ میں ہم دونوں ایک حجرہ میں رہتے تھے۔ مولانا مرحوم میں تواضع اور نفاست آپ کو اپنے ہم عصر طالب علموں سے ممتاز کرتی تھی۔ پھر باوجود عنفوان شباب آپ میں متانت اور وقار اور اس کے ساتھ جوانی میں عفت مجھ کو متاثر کرتی تھیں۔ جوانی کا زمانہ بڑا عجیب ہوتا ہے۔ اچھے بزرگ جو بعد میں قدس اللہ سرہٗ بن جاتے ہیں اور تصوف کے اعلیٰ درجات کو طے کر لیتے ہیں۔ وہ بھی جوانی میں کسی سے کسی طرح تسویل شیطان کے دام میں آ جاتے ہیں۔ لیکن میں نے کبھی ان کی جوانی میں بھی ان کو کسی شہوانی خیال سے متاثر ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ غالباً نظر کی پاکی اس زمانہ میں الیسی موہبت الٰہی ہے۔ جو کم لوگوں کو اس زمانہ میں نصیب ہے۔ آپ نے ایک مصری عورت کا بھی ذکر کیا تھا جسنے آپ کو ورغلانے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔

ایک خاص چیز جو ان کو نصیب تھی وہ یہ تھی۔ کہ اس دور میں سرحد میں عموماً علماء کا علم حدیث کے ساتھ تعلق کم ہوتا تھا۔ عموماً علماء وعظ کی کتابیں یا زیادہ سے زیادہ روح البیان وغیرہ کتابوں تک ان کی رسائی ہوتی تھی، لیکن مولانا کے والد سید زکریا بنوری کا عجیب ذوق تھا۔ انہوں نے امام غزالیؒ کی کتابوں کا مطالعہ غور سے کیا تھا۔ اور اسی تعلق سے مولانا یوسف کے ہاں میں نے دیکھا کہ بدایۃ المجتہد اور ابن جوزی کی کتابیں ــــ ردّ موضوعات میں پہلے سے موجود تھیں۔ مولانا طالب علمی کے زمانہ سے صاحب تحریر تھے۔ آپ کے والد مرحوم نے بھی بہت سے رسالے عربی میں تصنیف کئے تھے۔ جب آپ کا ادبی کتابوں کے ساتھ تعلق ہوا۔ اور مقامات حریری دیوبند میں پڑھ لی۔ تو آپ نے مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ کو ایک خط عربی زبان میں لکھا جس میں مولانا مذکور سے استدعا کی کہ وہ ان کو تلمیذ خاص بنالیں۔ مولانا سید انور شاہ صاحبؒ نے پوچھا۔ کہ آپ نے عربی ادب کہاں تک پڑھا ہے۔ جب آپ نے جواب دیا۔ کہ مقامات حریری تک تو حضرت مرحوم نے فرمایا۔ بس تمہارے لئے اتنا ادب کافی ہے۔

اس زمانہ میں دیوبند میں مضمون نویسی کا بڑا چرچا تھا۔ ایک مدراسی طالب علم غوث محمد ایک عربی قلمی اخبار لکھا کرتا تھا جس میں طلبہ کے عربی مضامین ہوتے تھے۔ میں بھی عربی میں اس اخبار میں مضامین لکھا کرتا تھا۔ لیکن

مولانا بنوریؒ ان مشاغل سے علیحدہ رہتے تھے۔

ان حالات میں میرا دورۂ حدیث کا سال آگیا اور مولانا بنوری کا مشکوٰۃ جلالین کا سال آگیا۔ میں دورۂ حدیث کے بعد گھر آگیا۔ لیکن میرے آنے کے بعد دیوبند میں گڑبڑ اور بے چینی پھیل گئی۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا انورشاہ مہتمین کے خاندان سے طلبہ کی ہمدردی میں ناراض ہو گئے۔ دیوبند میں سٹرائک ہو گئی۔ اور مولانا انورشاہ صاحب نے ایک بات کہی کہ یہ مدرسہ وقف ہے ارث نہیں، اس پر مولانا حبیب الرحمان ان سے ناراض ہو گئے۔ اس پر مولانا شیخ الاسلام مولانا انورشاہ مولانا شبیر احمد مولانا سراج احمد مولانا بدرعالم میرٹھی وغیرہ تمام قابل مدرسین دیوبند سے ناراض ہو کر ڈابھیل تشریف لے گئے۔ اسی اثنا میں مولانا بنوریؒ کو مولانا انورشاہ کے منظورِ نظر ہونے کا درجۂ عالیہ نصیب ہو گیا تھا۔ جو ان کی ترقیات کا اصلی زینہ بنا، ڈابھیل میں آپ نے دورۂ حدیث پڑھا۔ اور نہ صرف مولانا شیخ الاسلام بلکہ مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہ پر آپ کے جوہر کھل گئے۔ کہ آپ علم حدیث اور علم ادب کے ساتھ تحریر عربی میں منفرد حیثیت رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ذہین طباع۔ نفاست پسند اور اخلاق کریمہ کیساتھ موصوف تھے۔ علمی کمالات کے ساتھ آپ نے شخصیت ایسی پائی تھی۔ کہ اس میں سادات کا جلال افغانوں کی شہامت اور شجاعت اہل ہند کی نفاست پسندی اور اہل گجرات کا وقار پایا جاتا تھا۔ سید سلیمان ندویؒ کے ساتھ ان کی خاص دوستی تھی۔ ان کے خطوط میں جو مولانا مرحوم کے پاس تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ سید سلیمان ندویؒ عربی تحریر کے علاوہ ان کی اردو تحریر کے بڑے قدردان تھے۔

صوبۂ سرحد کی سیاسیات اور مولانا بنوریؒ ان کی سوانح عمری کے ابواب نامکمل رہ جائیں گے۔ اگر ان کی سیاسی زندگی پر روشنی نہ ڈالی جاتی۔ اگرچہ ان کو مجھ سے یہ شکایت تھی، کہ میں ان کو سیاست میں گھسیٹ کر لایا تھا۔ کراچی میں مدرسہ عربیہ کے اجراء کے بعد مجھ کو کہا کرتے تھے۔ کہ تم مجھ کو سیاست میں گھسیٹ کر لے گئے تھے۔ اور میں نے تم کو علمی زندگی کیطرف واپس کر دیا تھا۔ خلاصہ اس باب کا یہ ہے۔ کہ جب مولانا ڈابھیل سے واپس اپنے وطن پشاور تشریف لائے۔ تو مولانا شیخ الاسلام انورشاہ مرحوم سے خاص وراثتِ علمی ہم کو قادیانی فتنہ کی مخالفت ملی تھی۔ مولانا انورشاہ اپنے ہر شاگرد سے یہ توقع رکھتے تھے۔ کہ وہ قادیانی نبوت کے مکائد سے اہل اسلام کو آگاہ کریں۔ پشاور آکر ایک معرکہ جو ہم نے سر کیا تھا۔ اس کا ذکر بھی اس مقام پر مناسب ہوگا۔

پشاور شہر میں قادیانی کافی تعداد میں تھے۔ اور مغرب زدہ لوگ ان کو کم از کم اہل علم اور دانشمند سمجھتے تھے۔ پشاور میں ایک قادیانی مولوی غلام حسن رجسٹرار جس نے ایک تفسیر بھی قرآن کی لکھی ہے۔ ان کا

باقی ۱۴۲ پر